کیا اسلام تلوار سے پھیلا؟

<"xml encoding="UTF-8?>

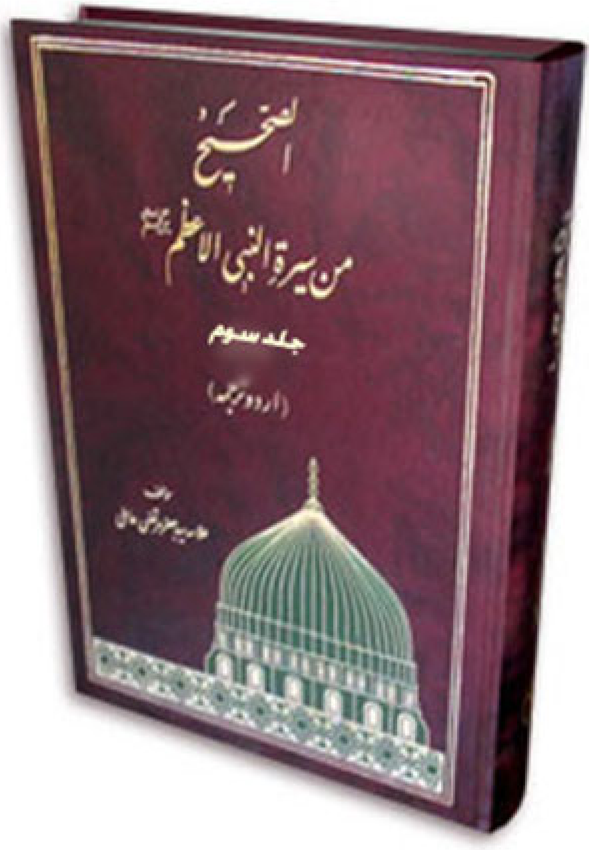

اسلام میں جہاد کی اہمیت

اسلام اور تلوار

اسلام دشمن عیسائی مشنری اس بات کو بڑی اہمیت اور اہتمام کے ساتھ بیان کرتی ہے کہ اسلام تلوار اور طاقت کا دین ہے۔
یہاں تک کہ بعض کتابوں میں انہوں نے ایسے کارٹون بنائے ہیں جن میں آنحضرت صلی‌اللہ‌علیہ‌وآلہ‌وسلم کے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں تلوارہے آپ صلی‌اللہ‌علیہ‌وآلہ‌وسلم لوگوں کے سروں پر کھڑے ہیں اور یہ عبارت تحریر ہے
"قرآن پر ایمان لے آؤ ورنہ تلوار سے تمہاری گردنیں اڑادونگا" پس دشمن گویا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جو اسلام
" ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة"
(اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور موعظہ حسنة سے دعوت دو۔ (النحل۱۲۵))

کا دعویدار ہے وہ اپنے اس دعوے میں سچا نہیں ہے بلکہ وہ عملی طور پر تلوار سے اپنی تبلیغ کا دعویدار ہے۔

اس نظریئےی تقویت میں خود مسلمانوں کی اس مقولے میں طبعی شک و تردید نے بھی مدد کی ہے کہ "اسلام حضرت خدیجہ علیہ‌السلام کے مال اور حضرت علی علیہ‌السلام کی تلوار سے پھیلا"
(مفکر اسلام شہید مطہری کا مقالہ مجلہ " جمہوری اسلامی" میں (۱۰جمادی الثانی ۱۴۱۰ ھ شمارہ ۲۶۱) ۔
مسلمانوں نے اس جملے کے الفاظ پر تو توجہ کی لیکن اس کے مفہوم پر گہری دقت نہیں کی۔ ...بلکہ ایسا ہوا کہ بعض قدیم مورخین اور قصہ نویس حضرات نے بھی اس مفہوم کو اسلام سے خارج کرنے میں مدد کی ۔ کتاب "فتوح الشام للواقدی" سے یہ مطلب بڑی حد تک واضح ہوتاہے۔ کیونکہ اس کتاب کا شاید ہی کوئی ایسا صفحہ ہو جو اس طرح کے محیر العقول اور خارق العادہ کارناموں اور تباہ کن واقعات سے خالی ہو۔
یہ سب کچھ بعض پس پردہ اہداف کی خاطر تھا تا کہ عوام کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کے ساتھ ساتھ امویوں کی قدرت اور عظمت بیان کی جائے اموی حکومت کے منظور نظر افراد کے لئے خیالی بہادریاں ثابت کی جائیں اور اس ذریعہ سے حضرت علی علیہ‌السلام کے موقف اور کارناموں کو لوگوں کی نظروں سے گرا دیا جائے ۔ اس کے علاوہ اور بھی مقاصد تھے جن کے متعلق گفتگو کی گنجائشے یہاں نہیں ہے ۔ ان بڑے بڑے سفید جھوٹوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام ایک تباہ کن طوفانی موج (سونامی کی لہروں) اور قتل و غارت کا دین دکھائی دینے گا ۔
یہاں تک کہ خود اکثر مسلمانوں کے لئے بھی یہ مسئلہ نہایت پیچیدہ ہوگیا جس کا جواب دینے کے لئے انہوں نے دائیں بائیں جانا شروع کردیا۔ ان مسلمانوں نے جواباً جو مناسب سمجھا اور جس راستے کو اپنی خواہشات کے مطابق دیکھا اختیار کرلیا۔

اگر چہ یہ بات تاریخ سے مربوط ہے اور یہاں اس گفتگو کو طول دینے سے خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکل سکتاتا ہم اپنا نقطہ نظر واضح کرنے کے لئے سر راہے چند نکات کی طرف اشارہ کرتے ہیں ۔

۱: اسلام اور دیگر ادیان میں جنگ کے خد و خال

جنگ بدر سے پہلے کے سرایا اور غزوات کی فصل میں اپنی افواج کو نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی نصیحتوں کا مختصر ذکر ہوگا ۔ انہیں دقت سے پڑھنے اور ان پر غور کرنے کی ضرورت ہے ۔ مزید مطالعہ کے خواہش مند حضرات بحار الانوار اور کافی کے علاوہ حدیث اور تاریخ کی دیگر کتابوں کا بھی مطالعہ فرمائیں۔

ساتھ ہی کتب حدیث اور تاریخ کا دقت سے مطالعہ کرتے وقت جنگی قیدیوں کے ساتھ مسلمانوں کے مثالی سلوک سے آگاہی بھی ضروری ہے ۔ ہم بھی جنگ بدر کی بحث میں انشاء اللہ اس موضوع پر روشنی ڈالیں گے ۔ اسی طرح علامہ احمدی نے بھی اپنی کتاب " الا سیر فی الاسلام" میں اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے ۔ لیکن اس کے مقابلے میں مندرجہ ذیل مطالب ملاحظہ فرمائیں۔

الف: انجیل میں لکھاہے"یہ گمان بھی نہیں کرو کہ میں زمین پر امن پھیلانے آیا ہوں، میں زمین پر سلامتی پھیلانے نہیں بلکہ تلوار کے ساتھ جنگ کے لئے آیاہوں"
(انجیل متی اصحاح (سورت) ۲۰ سطر ۳۴) ۔

باء : تورات میں یوں تحریر کیا گیاہے" جب تم جنگ کے لئے شہر کے قریب جاؤ گے تو وہاں کے لوگوں سے صلح کی استدعا کرو_ اگرانہوں نے مثبت جواب دیا تو وہ تیرے لئے فتح ہوجائے گا _ پس وہاں موجود تمام افراد تیرے غلام ہوں گے_ لیکن اگرانہوں نے صلح نہ کی اور جنگ ہی کی تو شہر کا محاصرہ کر لو اور جب تیرا رب، تیرا معبود تجھے فتح دے دے تو تمام مردوں کی گردنیں تلوار سے اڑادے_لیکن خواتین، بچے اور حیوانات اور جو کچھ شہر میں ہے یہ سب کچھ مال غنیمت ہے جو صرف تیرے لئے ہے_ دشمنوں کا مال غنیمت جو تیرے رب اور معبود نے تجھے عطا کیاہے کھالے، استعمال کر_ وہ تمام علاقے جو تجھ سے بہت دور ہیں اور یہ علاقے ان اقوام کے نہیں ہیں ،ان میں بھی یہی اعمال انجام دے_ لیکن وہ علاقے جو یہاں کی اقوام کے ہیں اور تیرے رب اور تیرے معبود نے تجھے عنایت کیے ہیں وہاں کا کوئی ذی روح بھی زندہ نہیں رہنا چاہئے"
(سفر تثنیہ" اصحاح" ۲۰ سطر/۱۰ _ ۱۷) _

جیم: تورات ہی میں لکھا ہے"شہر والوں کو تلوار سے اڑاکے رکھ دو_ شہر کو اس میں موجود تمام چیزوں سمیت جلا دو_اسکے ساتھ حیوانات و غیرہ جو کچھ بھی ہے سب کو تلوار سے نابود کردو _ تما م اشیاء کو اکٹھا کرو اور شہر کے چوک میں جمع کرکے انہیں شہرسمیت آگ لگادو _اس سے وہ شہر ابد تک راکھ کا ٹیلہ بن جائے گا
(سفر تثنیہ "اصحاح" ۱۳ سطر۱۵) _

یہاں مزیددستاویزات بھی ہیں جن کی تحقیق کا موقع و محل نہیں
(سفر تثنیہ الاصحاح ۷ ;سطرا ، ۲ سفر سموئیل اوّل الاصحاح ۱۵، عبرانیوں کو پولس کا خط الاصحاح ۱۱ سطر ۳۲ اور اسکے بعد ، انیس الاعلام ج/۵ ص ۳۰۲ و ۳۱۶ اور دیگر کتب) _

ایک اشارہ

امویوںاور عباسیوں و غیرہ کے کرتو توں نیز جنگوں اور ذاتی دشمنیوں میں ان کے مظالم اور قتل و غارتگری کی وجہ سے ہونے والی اسلام کی بربادی اسلام کی پہچان نہیں بلکہ اسلام پر ہونے والا ظلم ، زیادتی اور خیانت ہے _ کیونکہ اسلام اپنے سے منحرفین کی بدکرداری کا ضامن نہیں ہے اس لئے کہ اسلام اور چیز ہے اور منحرفین کا کردار اور چیز ہے_

۲ : جب جنگ ناگزیرہو

اگر ہم رسول صلی‌اللہ‌علیہ‌وآلہ‌وسلم کریم کی مشرکوں کے خلافلڑی جانے والی جنگوں کا مطالعہ کرنا چاہیں تو انہیں مندرجہ ذیل نکات میں خلاصہ کر سکتے ہیں:

الف : وراثت و غیرہ جیسے عوامل سے قطع نظر انسان کی شخصیت;
اسکی خصوصیات، عادات، صفات اور مختلف نفسیاتی، روحانی ، فکری ، جذباتی اور دیگر پہلو عام طور پر اس ماحول کے زیر اثر ہوتے ہیں جہاں انسان رہتاہے_ وہ والدین ، استاد اور دو ست و غیرہ سے افکار اور دینی مفاہیم و اقدار حاصل کرتا ہے_

پس وہ شخص ذلیل و بزدل ہوگا جس کی تربیت کرنے والوں نے خوف اور دہشت کا رویہ اختیار کیا ہو اور وہ شخص شجاع اور جنگجو ہوگا جسکی تربیت کرنے والوں نے خوف کے برخلاف حوصلہ افزائی کی روش اختیار کی ہ (یعنی خوف ، دھمکیوں اور دہشت کے سائے میں پلنے والا بچہ خود اعتمادی کے فقدان سے بزدل اور ذلت پسند ہوگا ۔ لیکن محبت اور شفقت کے سائے میں پلنے والا بچہ خود اعتمادی کے وجود سے بہادر اور سوشل ہوگا۔ البتہ لاڈ اور ناز کے سائے میں پلنے والا بچہ خود پسند اور مغرور ہوگا) ۔

اسی طرح وہ بچہ جسے بچپن میں بہت زیادہ توجہ اور شفقت ملی ہو اس کی پرورش بالکل مختلف ہوگی اور جو ظلم و قساوت کو دیکھے گا تو اس کا رد عمل بہت مختلف ہوگا ۔ چاہے ان دو بچوں نے ایک ہی گھر میں پرورش پائی ہو اور وہ دونوں حقیقی جڑواں بھائی ہوں۔

بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ وہ ذہنی تصورات جنہیں انسان حو اس کے ذریعے حاصل کرتاہے اور انہیں اپنے علم و ادراک کا اہم منبع قرار دیتاہے وہ بھی دوسروں سے بہت مختلف ہوتے ہیں۔ اگر ہم دو ایسے جڑواں بچوں کو فرض کر لیں جو اکٹھے رہتے ہوں ان کے حالات بھی ایک جیسے ہوں اور یہ بھی فرض کرلیں کہ تعلیم و تربیت ،وسائل اور حالات زندگی و غیرہ تک بھی یکساں ہوں تو اسکے باوجود بھی ہم دیکھیں گے کہ ان دونوں کے افکار ، نفسیات اور احساسات و غیرہ ایک دوسرے سے بہت حد تک مختلف ہیں۔ اسکی وجہ وہ ذہنی تصورات ہیں جو دونوں نے اخذ کیے ہیں اورجن سے ان کے تفکر کی تشکیل ہوئی اور ان دونوں کا ان خیالات پر رد عمل مختلف تھا۔ جی ہاں چاہے وہ دونوں ایک ہی کمرے میں بیٹھے ہوں، ایک ہی راستے پر چل رہے ہوں اورایک ہی سکول اور مدرسے میں پڑھ رہے ہوں پھر بھی دونوں کا ذہن ایک ہی خیال کے متعلق مختلف رد عمل ظاہر کرے گا
چاہے وہ اختلاف جزوی ہی ہو ۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ ہر ایک کانقطہ نظر مختلف ہے۔ یہی صورت حال آوازوں،اور خوشبوؤں و غیرہ کے بارے میں ہے ۔یہ صورت اسکے ہاں اپناایک خاص مقام اور ایک خاص اثر رکھتی ہے، اس کے فکری خطوط کو بھی بدل دیتی ہے۔ کبھی تو ان خطوط کو آگے بڑھاتی ہے اور کبھی اس کے آگے بند با ندھ دیتی ہے ۔

تصورات کا اختلاف ان کے ذہنوں میں مختلف نتائج کو جنم دیتاہے۔ اسی طرح یہ تصورات روح ، آداب اور احساسات پر مختلف اثرات مرتب کرتے ہیں۔

ان باتوں سے ہمیں پتہ چل سکتا ہے کہ لوگ آداب، افکاراور اخلاقیات و غیرہ کے لحاظ سے ایک دوسرے پر کتنے اثر انداز ہوتے ہیں۔آپ خود اگر کسی بدمزاج، غصیلے اور ترش رو دوکاندا ر کے پاس کھڑے ہوں اور پھر کسی ایسے مہذب دوکاندار کے پاس کھڑے ہوںجو مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ ملے اور بہت اچھے اور میٹھے لہجے کے ساتھ آپ سے گفتگو کرے تو آپ یقیناًاپنے رگ و پے میں ان دونوں کا فرق محسوس کریں گے۔ اس سارے عمل کا اثر بچوںاور دوستوں و غیرہ کے ساتھ آپ کے تعلقات پر یقیناً مرتب ہوگا۔

پس جب ایک فکر اتنی اہمیت کی حامل اور حساس ہے کہ اس سے انسانی عقیدہ تشکیل پاتا ہے اور انسان اس سے متاثر ہوتا ہے تو یقینا کسی معاشرے میں پیدا ہونے والا انحراف چاہے وہ محدود پیمانے پر ہی ہو وہ صرف انحراف کے مرتکب ہونے والے تک محدود نہیں رہے گا بلکہ چاہے تھوڑی مقدار اور محدود پیمانے پر ہی سہی وہ اس کے ساتھ رہنے والوں اور اس کے دور یا نزدیک کے تعلق داروں پر بھی اثر انداز ہوگا پھر ان سے دوسروں میں

سرایت کرجائے گا اور اسی طرح وہ انحراف آگے پھیلتا جائے گا۔

(اور انحراف کے مرتکب فرد کا حلقہ شناسائی اور دائرہ اثرجتنا وسیع اور پھیلا ہوا ہوگا انحراف بھی اتنے وسیع پیمانے پر اور تیزی سے پھیلے گا- مترجم)۔

یہی سبب ہے کہ اسلام برائی سے پوری طاقت کے ساتھ اورعلانیہ نبرد آزما ہوتاہے۔ اسلام نے تو چھپ چھپ کر گناہ والے کی غیبت سے بھی منع کیا ہے تا کہ لوگ کسی بھی برائی یا انحراف کی خبرسننے کی عادت نہ اپنا لیں کیونکہ اس سے ان کے ذہن برائی سے مانوس ہو جائیں گے پھر ان کے لئے برائی کا ارتکاب آسان ہو جائے گا اور وہ اس کی عادت بنالیں گے ۔ اسلام تو اتنا بھی نہیں چاہتا کہ ان کے ذہنوں میں برائی کے تصور کابھی گزر ہو چہ جائیکہ وہ شخص خوداس برائی کی عادت اپنالے کیونکہ اسلام چاہتا ہے کہ لوگ برائیوں سے دور رہیں لیکن اس کے اثر سے لوگ برائیوں کے مرتکب ہوں گے ۔ آپ ذرابرائیوں اور نقصان دہ امو ر پر لفظ " المنکر"کے اطلاق پر غور کریں تو آپ دیکھیں گے کہ اسلام چاہتاہے کہ لوگ ان باتوں سے دور اور لاعلم رہیں۔ اسی طرح جہاں اسلام چھپ چھپ کر گناہ کرنے والے کی غیبت سے منع کرتاہے تو وہ یہچاہتاہے کہ گناہگار انسان کو ایک فرصت مہیا کی جائے تا کہ وہ اپنے گناہوں سے چھٹکارا حاصل کرسکے نیز اس کی شخصیت کی تعمیر و ترقی کے لئے اسے ایک مناسب معاشرتی فضا مہیا کرے نیزاس کی عزت و شرافت و غیرہ کی حفاظت کرے اس کے علاوہ اور بھی مقاصد ہیں جن کے بیان کا مقام یہاں نہیں ہے ۔

پس اگر انحراف اور کجی کا نقصان اسکے ارتکاب کرنے والے تک محدود نہ رہے اور وہ دوسروں تک سرایت کر جائے تو پھر دوسروں کوبھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ خود کو اس نقصان سے محفوظ کریں۔ اگر شریعت کی بات نہ بھی ہو تو بھی عقل و فطرت کا یہی حکم ہے ۔ البتہ شریعت ،ذات کے اس حق دفاع کے اعتراف پر ہی اکتفا نہیں کرتی بلکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے وجوب کے ذریعہ اس دفاع کو ہر فردپر واجب اور فرض قرار دیتی ہے تا کہ ایک تو یہ لوگ اپنی حفاظت کریں اور دوسرا اس انحراف اور برائی سے دوسروں کو بچائیں

(برائی کے ا نجام دینے والے کو دو عذاب (ایک برائی کے انجام دینے پر اور دوسرا عذاب دوسروںکو مبتلاکرنے پر)نہیں ہوں گے بلکہ اس شخص کے لئے صرف ایک ہی عذاب ہے ، وہ اس لئے کہ اس نے (برائی نہ کرنے پر)دوسروں کے اختیار کو سلب نہیں کیا اور نہ ہی اسکا یہ ارادہ تھا۔ البتہ اسکے فعل نے دوسروں کے لئے برائی انجام دینے کی راہ ہموار کی اور یہ امر دوسروں کی برائی کا مسبب نہیں۔ارتکاب گناہ میں ارادہ اور نیت نیز عذاب کے استحقاق یا عدم استحقاق کے عنصر کو مد نظر رکھتے ہوئے ہماری بات اور مندرجہ ذیل معروف حدیث کے درمیان فرق واضح ہوجائے گا ۔ معروف حدیث یہ ہے :" جس کسی نے ایک نیک عمل کی بنیاد رکھی اس کو اسکا اجر اور قیامت تک ہر اس شخص کے عمل کا اجر ملے گا جو اس پر عمل کرتا رہے گااورجس کسی نے ایک برے عمل کی بنیاد رکھی تو اس کو اپنے عمل کاگناہ اور قیامت تک ہر اس شخص کے عمل کاگناہ بھی ملے گا جو یہ برائی انجام دے گا"۔) ۔

گذشتہ تمام گفتگو کی روشنی میں رسول صلی‌اللهعلیه‌وآله‌وسلم کریم کے اس فرمان کا راز بھی معلوم ہو جاتاہے کہ اسلام کی نظر میں

سب مؤمن ایک جسم کی مانند ہیں کہ جب بھی جسم کے کسی حصے میں تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم بے خوابی و پریشانی میں مبتلارہتاہے۔

پس اس بنا پر برائی سے روکنے اور نیکی کا حکم دینے والے کو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ تجھے کیا ؟ تجھے اس سے کوئی مطلب ؟

یا میں آزاد ہوں یا اسطرح کے جملے۔ کیونکہ یہ امر بالمعروف ہی ہے جو در حقیقت آپ کی حفاظت کرتا ہے۔ اور ہر کسی کی آزادی اتنی ہے کہ وہ دوسروں پر کسی قسم کی بھی زیادتی نہ کرے اور نہ ہی اس کی آزادی کو کوئی نقصان ہو ۔ او رانحراف تو زیادتی کی خطرناک ترین اور ناپسندیدہ ترین صورت ہے ۔

یہ بڑی واضح سی بات ہے کہ انحراف کے خطرے کو دور کرنے اوربرائی کے خاتمے کی خاطر مختلف مدارج اور مراحل کا خیال رکھا جانا چاہئے۔ جیسے آپکا بیٹا اگرکسی برائی یا غلطی کا مرتکب ہوتا ہے تو پہلے مرحلے میں آپ اسے منع کریں گے ، پھراسے سمجھائیں گے ، پھر ڈرائیںدھمکائیں گے،پھر ماریں پیٹیں گے اور پھر خود سے دور کریں گے ۔ اسی طرح شدت اختیار کرتے جائیں گے۔ یہ سب مراحل و مدارج شرعی ، عقلی اور فطری ہیں۔ انسان کا کوئی ایک عضواگر بیماری میں مبتلا ہوجائے تو پہلا مرحلہ دوائیوں سے علاج ہے۔

اگرپھر بھی ٹھیک نہ ہو تو جراحی " operation " کا مرحلہ آتا ہے ۔اور اگر اس کے باوجود مرض اتنی خطرناک صورت اختیار کرجائے اور زخم ناسور بن جائے کہ وہ عضو نہ صرف پورے جسم پر بے فائدہ بوجھ بن جائے بلکہ اس کا درد اوراس کی بیماری دوسرے اعضاء میں سرایت کرنے لگے اور انہیں صحیح طریقے سے کام نہ کرنے دے تو اس صورت میں اگر طبیب اس حصے کو علیحدہ نہیں کرے گا تو خود انسان کے تلف ہونے کا خطرہ پیدا ہوجائے گا۔ اس مرحلے میں بدن کے اس حصے کو کاٹنے کی نوبت بھی آسکتی ہے ۔ نہ کاٹنے کی صورت میں وہ طبیب اس بیمار سے خیانت کا مرتکب ہوگا۔ یہی سبب ہے کہ اسلام ، عقل اور فطرت نے مسلمانوں کو ایک جسم کی طرح قرار دیاہے ۔ جب ایک عضو میں درد ہو تو سارا بدن درد و اضطراب میں مبتلا ہوجاتاہے۔یہ بات صرف مسلمانوں ہی سے مخصوص نہیں بلکہ تمام بنی آدم کے ساتھ ایسا ہی ہے۔

پس جو شخص عقیدہ و اخلاق اور آداب و کردار کے لحاظ سے منحرف ہوجائے تو ضروری ہے کہ سب سے پہلے حکمت ، پیاراور موعظہ حسنہ سےاسکی اصلاح کی جائے پھر ڈرایا دھمکایا جائے اسکے بعد سختی اور شدت کا استعمال کیا جائے ۔ اگر یہ سارے ذرائع اور و سائل کامیاب نہ ہوں تو پھر اس کاآخری علاج اسے قرنطینہ کرنا ہے اور اگربیماری انتہائی خطرناک اور ناسورہو جائے تو پھر(نہ صرف اس شخص کو قرنطینہ کرنا چاہئے بلکہ) ضروری ہو جاتا ہے کہ اس بیماری کو ہی جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے۔اس صورت میں عضو فاسدکو نہ کاٹنا پوری امت بلکہ نسلوں اور انسانیت کے ساتھ خیانت ہوگی۔ بلکہ دینی اور عقیدتی انحراف کا خطرہ تو جسمی اور بدنی امراض سے کہیں زیادہ ہے کیونکہ جسمانی امراض کا دائرہ نسبتاً محدود ہے لیکن دینی، عقیدتی، فکر ی اور اخلاقی انحراف سے جسم، مال و اموال، مقام، انسان ، اخلاقی اقدار ، انسانیتبلکہ سارا معاشرہ تباہ ہوجاتاہے جس کے اثرات آنے والی نسلوں پر بھی پڑتے ہیں ۔ یہ اس وقت ہوتاہے جب اس منحرف شخص کو جرم اور گناہ انجام دینے میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آتی اور وہ بڑے سے بڑا جرم و گناہ انجام دیتاچلا جاتاہے۔جب اس انسان کی کسوٹی اورمعیار ،فقط اور فقط اسکے ذاتی مفادات ہوں ، تب وہ شخص کسی اور چیز کو اہمیت نہیں دیتا، اللہ کی خوشنودی کو اہم نہیں سمجھتا، امت کی اجتماعی مصلحتوں کو مدنظر نہیں رکھتا، شریعت اور دین کے احکام کو غیر اہم سمجھتا ہے اورعقل و منطق کو کوئی حیثیت نہیں دیتا۔

اسی لئے جہاد در حقیقت اس انحراف کو روکنے کا ایک ذریعہ ہونے کی وجہ سے دین اور شریعت سے بڑھ کر عقل اورفطرت کے احکام میں سے ایک حکم ہے۔

گزشتہ بحث کی روشنی میں ہم نہایت جرا ت کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اگر اسلام، جہاد کے لئے تلوار استعمال نہ کرتا تووہ حق اور عدل نیز فطرت اور عقل کا دین ہی نہ ہوتا۔ اس طرح نہ صرف معاشرے بلکہ ابد تک کے لئے تمام انسانیت کا خائن ہوتا۔ ہم جانتے ہیں کہ فکر ، عقل اور قوت مدافعت پر مبنی سیاسست ہی عدل قائم کرنے والے اور ظلم کو مٹانے والے دین ،اسلام کا اصل اصول ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:
(و لقد ارسلنا رسلنا بالبینات و انزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط و انزلنا الحدید فیه باس شدید و منافع للناس و لیعلم اللّٰه من ینصره و رسله بالغیب ان اللّٰه قوی عزیز) (حدید /۲۵)

بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجاہے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا تا کہ لوگ انصاف کے ساتھ قیام کریں اور ہم نے لوہے کو بھی نازل کیا ہے جس میں شدید سختی اور لوگوں کے لئے بہت سے دوسرے فوائدبھی ہیںیہ سب اس لئے ہے کہ خدا یہ دیکھے کہ کون بغیر دیکھے اسکی اور اسکے رسول کی مدد کرتاہے اور یقیناً اللہ بڑا صاحب قوت اور صاحب عزت ہے۔

اگر دین خیانت کو اپنی عادت اور اصول قرار دیتا، انسانی نسلوں کی مصلحتوں سے تجاہل برتتااور اس کے احکام میں یہ بہت بڑے نقائص ہوتے تو اس کے قوانین کی انسانوں اور انسانی سماج کو قطعاً ضرورت نہ ہوتی ۔ پھر تو اسکی راہ میں قربانی دینے بلکہ اس کی حفاظت کرنے اور دین کی عظمت اور سر بلندی کی خاطر کسی بھی کام کا کوئی معنی اور فائدہ نہ رہتا ۔ یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ کیوں جہاد کو جنت کے دروازوں میں سے ایک ایسا دروازہ قرار دیا گیا ہے جسے اللہ نے اپنے خاص اولیاء کے لئے کھول رکھاہے۔ یہ تقوی کا لباس، اللہ تعالی کی مضبوط زرہ اور قابل اعتماد ڈھال ہے
(ملاحظہ ہو: نہج البلاغہ شرح محمد عبدہ خطبہ جہاد ج ۱ ص ٦٣۔) ۔

یہ سب تونظریاتی لحاظ سے ہے۔ البتہ رسول اسلام صلی‌اللّه‌علیه‌وآله‌وسلم کے زمانے کے تاریخی حقائق کیا تھے جہاد کے متعلق گفتگو کے دوران اس کی طرف اشارہ کریں گے۔

باء :اہل مکہ کے مقابلے میں اپنا دفاع کرنا ہرمسلمان کا حق تھا کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کو ان کے دین سے ہٹانے کے لئے سازشیں کیں اور اللہ کے راستے میں رکاوٹیں ڈالیں۔ اس لئے ان سب کا حق بنتا تھا کہ وہ عقیدہ ، بیان ، فکر اور دعوت الی اللہ کی آزادی کے حصول کے لئے اہل مکہ کے خلاف جنگ کرتے یہ جنگ خصوصاً اس وقت ضروری ہوجاتی ہے جب دشمن تشدد کے استعمال پر اصرار کرے اور اس کے نیز اس کے عقائد کے سامنے منطق اور دلیل کی کوئی حقیقت نہ ہو ۔ پس اسلام یہ نہیں چاہتا کہ کوئی جبراً اس کو قبول کرے۔اسلام تو یہ چاہتا ہے کہ سب کو عقیدے، فکر ، اور موقف میں آزادی حاصل ہو ۔
اس لئے اسلام نے جو علاقے فتح کئے وہاں کے لوگوں کو بعض معاملات میں اختیار دیا۔ ان میں سے ایک " قبول اسلام"بھی تھا۔ جو کوئی اسلام قبول کرتا وہ پوری رغبت وشوق ، آزادی اور ارادے کے ساتھ نیزمسلمانوں کی طرف سے کسی رسمی سے دباؤ کے بھی بغیر قبول کرتا۔ بہت سارے علاقوں میں تو اسلامی فتح کا انتظار بھی نہ کیا

گیا۔ فقط اسلام کی اطلاع پر ہی لوگ اسلام کے سامنے جھک گئے۔

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسلا م اور مسلمان اپنے خلاف ہر طرح کی سختی،زیادتی اور مسلسل ظلم کے سامنے ہاتھ باندھے رکھیں کہ ظالم ان کا خون چوستے رہیں ۔ یاان لوگوں کے ہر دباؤ اور فیصلوں کے سامنے جھک جائیں جو ہر حال میں انکے خلاف ہیں۔نیز اس آزادی کا یہ مطلب بھی نہیںکہ مسلمانوں کو اپنے دشمنوں کے مقابلے میں ایسی تیاری بھی بالکل نہیں کرنی چاہئے کہ جس سے وہ اللہ اور اپنے دشمن کو خوف زدہ کرسکیں۔ جس اسلام کی طرف مسلمان دعوت دیتے ہیں اور آزادی فکر و نظرسے اسے قبول کرنے کے خواہاں ہیں وہ فقط ایک انفرادی مذہبی اعمال یا تزکیہ نفس جیسے اعمال ہی کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ اسلام ایک ایساعمومی نظام حیات ہے جو عالمی سطح پر یکسر تبدیلیوں کی قیادت کرنے کی مکمل صلاحیت رکھتاہے ۔ اور ایک ایسا نظام ہے جس میں سب انسانوں کے حقوق محفوظ ہوں۔ یہی وہ بات ہے جس نے اسلام کی وسیع سطح پر حمایت کو یقینی بنایاہے۔ کیونکہ اسلام کو ان جابر و ظالم اور لالچی افراد سے ٹکر لینی ہے جو اپنی نفسانی خواہشات اور رجحانات کے مطابق لوگوں پر حکومت کرنا چاہتے ہیں ۔ہاں جب رائے، فکر اور عقیدہ کی آزادی کا حصول صرف طاقت کے استعمال سے ہی ممکن ہو تو پھر سختی اور شدت استعمال کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ معاشرے میں اسلامی قوانین کے نفاذ کے لئے ایک مناسب فضا مہیا کی جائے نیز حقیقی اسلام، ان حکمرانوں کے اسلام میں تبدیل نہ ہوجائے جو اسلام کو اپنی خواہشات اور مفادات کے مطابق ڈھالنا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ بعض فرقوں اور مذاہب کے ساتھ ایسا ہی ہوا اور وہ اس شدید بیماری میں مبتلا ہوگئے ،نیز اسلامی قانون سازی کا محور کوئی بڑی اور سرکردہ شخصیت بھی نہ بننے پائے ورنہ اسلام ایک مردے کی فکر ہوگی جوصرف اور صرف عجائب گھر میں رکھنے کے قابل ہوگی جس کا تعلق معاشرتی زندگی سے قطعاً نہیں ہوگا

(مصنف کا اشارہ شاید کیمونزم کی جانب ہے جس کے متعلق خمینی بت شکن (رح)نے گورباچف کے نام اپنے خط میں پیشین گوئی کردی تھی کہ (دوسرے باطل عقائدو مذاہب کی طرح) یہ بھی تاریخ کے میوزیم میں منتقل ہوجائے گا ۔ اور ہوا بھی یہی اب صرف چند مردہ پرست ہی اس دنیا میں رہ گئے ہیں جو اسے زندہ رکھنے کی نام کوششوں میں مصروف ہیں ۔ مترجم) ۔

اگر رائے ، فکر اور عقیدہ کی آزادی ہو تو یہ بات دوسروںکے حوصلے کا سبب بنے گی کہ وہ لوگ بھی دائرہ اسلام میں داخل ہوکرتکلیفوں ، اذیتوں ، مختلف قسم کے دباؤ اور اس فتنہ کی آگ سے بھی محفوظ رہیں جو اسلام کی نظر میں قتل سے زیادہ خطرناک ہے ۔ پس مسلما ن جب جنگ کرتے ہیں تو وہ اپنے ان حقوق کے دفاع کے لئے جنگ لڑتے ہیں جو اللہ نے ان کے لئے قرار دیئےہیں۔ اس سلسلے میں رسول اکرم صلی‌اللہ‌علیہ‌وآلہ‌وسلم کی احادیث بھی ہیں جن کا ذکر بعد میں آئے گا۔نیز قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالی ہے۔

(اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا و ان اللہ علی نصرھم لقدیر الذین اخرجو من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ) (الحج ۳۹ ، ۴۰)

جن لوگوں سے مسلسل جنگ کی جارہی ہے انہیں ان کی مظلومیت کی بنا پر(جنگ کی) اجازت دی گئی ہے اور یقینا اللہ ان کی مدد پر قدرت رکھنے والا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے نا حق نکال دیئے گئے ہیں ان کا

قصور صرف یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں اللہ ہمارا پروردگار ہے۔

پس مسلمانوں کو جنگ کی اجازت اس صورت میں ملی کہ دوسروں نے ان پر جنگ مسلط کردی تھی اور انہیں اپنے گھروں سے بھی نکال باہر کیاتھا لیکن اگر ایسی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے جن میں غزوات کا ذکر ہے تو قاری کے ذہن میں یہ تصور ابھرتاہے کہ اسلام تو قتل و نابودی کا مذہب ہے۔ آپ واقدی کی " فتوح الشام" کی طرف رجوع کرکے دیکھیں ۔یہ سب کچھ غالباً اس لئے ہے کہ اس میں بنی امیہ کی شان و شوکت اور اقتدار و غلبے کا ذکر ہے۔ بعض محققین نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے
(آیت اللہ سید مہدی الحسینی الروحانی۔)
جیم: گزشتہ گفتگو کی روشنی میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ نبی صلیﷲعلیہوآلہوسلم اور مسلمانوں کی سیرت اور عادت یہ تھی کہ وہ دشمنوں کے سامنے نہایت منصفانہ انتخاب رکھتے تھے۔ حتی کہ ان پیشکشوں کے بعد بعض مشرکین یہ اقرار کرتے تھے کہ اس پیشکش کے بعد اب جنگ پر اصرار ظلم و زیادتی کے علاوہ اور کچھ نہیں لیکن سریہ ابن حجش میں ابن حضرمی کے قتل کے بعد باقی مشرکوں نے ان پیشکشوں کو ٹھکرانا شروع کردیا تھا کیونکہ وہ مسلمانوں سے جنگ کا پختہ ارادہ کرچکے تھے
(تاریخ طبری ج/۲ ص ۱۳۱ کامل ابن اثیر ج/ ۲ ص ۱۱۶) ۔

حالانکہ وہ ابن حضرمی کے قتل کا بدلہ دو طرح سے لے سکتے تھے۔ایک یہ کہ محدود پیمانے پر اس کا بدلہ لیا جاتا دوسرا یہ کہ دیت قبول کرلی جاتی حالانکہ یہ دونوں عمل عربوں کے رسم و رواج کا حصہ تھے اور ان کی اخلاقیات کے لحاظ سے بعید بھی نہیں تھے ۔

دال: معاہدے توڑنے والوں کے خلاف قیام کرنااور انہیں اپنی حدود میں رکھنا کیونکہ یہودی معاہدے توڑتے تھے اور پھر کفار و مشرکین مکہ بھی وہ لوگ تھے جو صلح حدیبیہ کا معاہدہ توڑ چکے تھے۔

ہائ: جنگ کے شعلے بھڑ کانے والوں اورزیادتی کرنے والوں کے مقابلے میں اپنا دفاع ۔ جن لوگوں نے مدینہ پر لشکر کشی کی اور لوٹ مار مچائی ان کا پیچھا ۔

بہر حال ہم دیکھتے ہیں کہ مشرکین مکہ نے مسلمانوں کے خلاف مسلسل معرکہ آرائی جاری رکھی جبکہ مسلمان صلح حدیبیہ تک ہمیشہ اپنا دفاع کرتے رہے۔ حتی کہ بخاری لکھتے ہیں کہ نبی کریم(صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) نے غزوہ بنی قریظہ سے پلٹنے کے بعد فرمایا: " اب ہم ان کے خلاف جنگ کر سکتے ہیں لیکن وہ ہمارے خلاف جنگ نہیں کرسکتے " ۔اس کا ذکر انشاء اللہ آئے گا ۔

کیا اسلام تلوار سے پھیلا؟

گذشتہ مطالب کی روشنی میں ہمارے لئے واضح ہوجاتاہے : کہ" اسلام علی علیہ‌السلام کی تلوار سے پھیلا " کےمقولے کا مطلب ہر گزیہ نہیں ہے کہ حضرت علیہ‌السلام نے لوگوں کے سر پر تلوار رکھ کر فرمایا ہو کہ اسلام لے آؤ یا قتل کے لئے تیار ہوجاؤ۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی علیہ‌السلام کی تلوار فقط اور فقط اسلام کے دفاع کے لئے اٹھی۔ اس تلوار نے دشمنوںکی زیادتیوںکو روکا اور آزادی رائے ، فکر اور عقیدہ کی حفاظت کی اور اسلام کے دفاع میں اپنا گہرا اثر چھوڑا۔

اور چونکہ اسلامی جنگوں کا مقصد انسان کی حفاظت، اس کی شخصیت کاتحفظ اور آزادی فکر و عقیدہ و رائے کے لئے فضا ہموارکرنا تھا ،اس لئے ان وجوہات کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ یہ جنگیں ممکنہ طور پر اتنی مختصر تھیں جن سے فقط مقصد حاصل ہوجائے۔یہی وجہ ہے کہ انتہائی ضبط نفس اور تقوی کا خیال رکھا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ خطرناک ترین حالات اور لحظوں میں بھی ان چیزوں کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ اسی لئے پیامبر اسلام صلی‌اللہ‌علیہ‌وآلہ‌وسلم کی دس سالہ مدنی زندگی کے مختصر عرصے میں غزوات اور سریوں پر مشتمل دسیوں جنگوں میں مؤرخین کے بقول آپ صلی‌اللہ‌علیہ‌وآلہ‌وسلم کی تلوار سے مقتولین کی تعداد ایک ہزار سے تجاوز نہیں کرتی
(ملاحظہ ہو سید ھادی خسرو شاہی کا مضمون " سیمای اسلام")
حالانکہ ان جنگوں سے مشرکین کا مقصد پورے جزیرۃ العرب میں اسلامی حکومت کے نفوذ و قدرت کے زیادہ ہونے نیزاسکی حدود کو اس سے کہیں زیادہ پھیلنے سے روکنا تھا بلکہ سرے سے اسلام کا ہی قلع قمع کرنا تھا۔

ہم نے عجلت میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے ورنہ جہاد کا موضوع تو بہت زیادہ طول و تفصیل کا طالب ہے۔ اس سلسلے میں ضروری ہے کہ قرآن حکیم کی آیات، پیامبراسلام صلی‌اللہ‌علیہ‌وآلہ‌وسلم اور آئمہ ہدی علیہ‌السلام کی احادیث، انکے جہادی موقف اور کوششوں پر گہری نظر ڈالی جائے۔